

رسائل و مسائل

جماد یا فساد؟

گذشتہ دنوں ایک کیسٹ سننے کو ملی جس میں کہا گیا ہے کہ جماد بغیر اقتدار کے نہیں ہو سکتا۔ جماد کے لیے اقتدار لازمی شرط ہے۔ اقتدار کے بغیر جماد نہیں فساد ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی گئی کہ مکہ میں نبی کریمؐ پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم ہوتے رہے لیکن آپؐ نے جماد کے لیے حکم نہیں دیا۔ البتہ مدینہ جا کر جب حکومت بنالی اور اقتدار مل گیا تب جماد کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پوری قوم تھی لیکن انہوں نے فرعون کے خلاف جماد کا اعلان نہیں کیا بلکہ سیاسی طور پر اپنے مطالبات اس کے سامنے رکھے اور منوائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا لیکن انہوں نے جماد کے لیے نہیں پکارا۔ موجودہ دور میں افغانستان کی مثال ہے کہ جب تک حکومت پاکستان اس جماد کی پشت پناہی کرتی رہی، اس کے ثمرات اچھے تھے لیکن جب حکومت پاکستان نے اس کی پشت پناہی چھوڑ دی تو وہ فساد بن گیا۔ اسی طرح جماد کشمیر اور جماد فلسطین ہے۔ وہاں جو اتنے لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے، عورتوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ جماد کی پہلی شرط یعنی "اقتدار" پوری نہیں کی گئی۔ آپ سے گزارش ہے کہ کچھ رہنمائی فرمائیں تاکہ ذہن مطمئن ہو سکے۔

اصل جواب سے پہلے ان بنیادوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن پر جماد و قتل فی سبیل اللہ کا مدار ہے۔ اگر وہ بنیادیں پائی جائیں تو جماد نہ صرف جائز بلکہ فرض شمار ہوتا ہے اور نہ پائی جائیں تو جماد شرائط پورا کرنے تک ملتوی ہوتا ہے۔ وہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

(۱) جماد اور قتل فی سبیل اللہ بلاشبہ اس لیے ہوتا ہے کہ انسانوں کے "تشریعی" اقتدار کو ختم کر کے اللہ تعالیٰ کا تشریعی اقتدار قائم کیا جائے۔ لہذا یہ جماد اور قتل فی سبیل اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ساری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا اقتدار قائم نہ کر دیا جائے۔

(۲) جماد کا مقصد جب اللہ کا تشریعی اقتدار قائم کرنا ہے تو پھر ضروری ہے کہ یہ جماد و قتل وہ شخص یا گروہ کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے تشریعی اقتدار کو قائم کرنے کے لیے نامزد کیا ہو اور اس کے اقتدار کو اپنا اقتدار قرار دیا ہو۔

(۳) وہ شخص نبی اور اس کی امت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنا اقتدار زمین پر قائم کرتا ہے۔ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم چلاتے ہیں اور کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کرتے اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، رسول اور نامزد حکمران ہیں اور آپ کے بعد آپ کی امت آپ کی نائب ہے اور اس امت کو آپ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ یہ امت جملا کرے گی تا آن کہ ساری روئے زمین پر اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور میری امت کا اقتدار ان تمام حصوں تک پہنچے گا جو مجھے سمیٹ کر دکھائے گئے (یعنی ساری روئے زمین تک کہ سب آپ کو دکھائے گئے)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے جوامع الکلم (کتاب و سنت) کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور میری مدد رعب سے کی گئی ہے۔ میں سویا تھا کہ اس دوران میں مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ چلے گئے اور تم لوگ (یعنی مسلمان) ان خزانوں کو نکال رہے ہو“ (بخاری)۔ مطلب یہ ہے رسول اللہ کو زمین کا جو اقتدار دیا گیا ہے، ابو ہریرہ کے دور میں صحابہ کرام کے ذریعے پایہ تکمیل کی طرف بڑھتے ہوئے قرب قیامت سے پہلے نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دور میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔

(۱) ان اصولوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جملا فرض ہے اور اس فرض کو عملی جامہ پہنایا جائے گا تاکہ اس کے نتیجے میں کفر اور کفار کا اقتدار ختم ہو اور اسلام اور مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو، چاہے جملا کرنے والے حکمران ہوں یا نہ ہوں۔ لہذا نہ صرف کشمیر و فلسطین کی آزادی بلکہ ساری دنیا کو عملاً اسلام کے لیے مسخر کرنے کی خاطر جملا فرض ہے۔ یہ کہنا کہ جملا کے لیے ضروری ہے کہ جملا کرنے والے برسر اقتدار ہوں، ایک لغو لالچنی اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت پر مبنی بات ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلے میں اس لیے قتل نہیں کیا کہ بنی اسرائیل ابھی قتل کے قاتل نہ ہوئے تھے بلکہ انھیں جب قتل کا حکم دیا گیا تو انھوں نے جواب دیا نَفَسَ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَفَاتِلَا اَنَا هُمَا قَاعِدُونَ اور حضرت عیسیٰ تو رسول الہی بنی اسرائیل تھے اور مسلمانوں کے لیے آنے والا رسول گمراہ مسلمانوں سے قتل نہیں کیا کرتا جیسے کہ آج کل مسلمان ممالک میں، مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے ذریعے انقلاب برپا کیا جائے گا، قتل کے ذریعے نہیں، الا یہ کہ الجزائر کی طرح لوگوں پر تلواریں سونت لی جائے تو پھر انھیں دفاع کا حق حاصل ہو گا اور وہ جواباً اپنی حفاظت کی خاطر ظالم گروہ کے خلاف تلواریں اٹھائیں گے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھیں سولی پر چڑھایا گیا۔ قرآن پاک کی نص صریح وَمَا صَابُوهُ ”انھوں نے اسے سولی پر نہیں لٹکایا“ کے خلاف ہے اور حضرت

عیسیٰؑ کی توہین کے علاوہ یہودیوں کی تائید ہے۔ اللہ اس قسم کی نپاک جسارت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ مکہ میں جہاد و قتل اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہاں معاشرہ مخلوط تھا، مسلمانوں اور کفار کی آبادی علیحدہ نہ تھی، ایک ہی گھر میں ایک شخص مسلمان اور دوسرا کافر تھا، ایسی صورت میں اگر جنگ کا حکم ہوتا تو تحریک کو کچل کر رکھ دیا جاتا اور اس کا نام و نشان ختم ہو جاتا اور اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ ختم ہو کر رہ جاتی۔ وہ اخلاقی خوبیوں جن کی بنا پر کسی تحریک، جماعت اور قوم کی قدر و منزلت قائم ہوتی ہے وہ بھی پامال ہوتیں اور تحریک میں کشش باقی نہ رہتی۔ وہ بنیادی اخلاق اور خوبیاں جن کی وجہ سے تحریک میں کشش تھی، یہ تھیں: انسانوں کو ان کا حقیقی مقام دلوانا، ظلم کا خاتمہ، یتیموں کی خدمت، یتیموں کی اعانت، مسکینوں کی دیکھ بھال، بے سہارا لوگوں کو سہارا دینا، صلہ رحمی، مہمان نوازی، سچائی، پاک دامنی اور عدل و انصاف کا قیام۔ مکہ میں اگر جنگ برپا ہوتی تو پھر دنیا کے سامنے تحریک کا جو نقشہ آتا وہ کیا ہوتا؟ صلح حدیبیہ کے بعد ہر قتل کے دربار میں جب ابوسفیانؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کی دعوت کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا، ”یا مرننا بالصدق والصلوة والمعاف“ وہ ہمیں سچائی، نماز اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ مکہ میں اگر جنگ ہوتی تو پھر یہ جواب ہو سکتا تھا؟ اگر معاشرہ مخلوط نہ ہو تو بغیر اقتدار کے بھی جہاد کیا جائے گا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بغیر اقتدار کے لوگوں نے جہاد کیا لیکن آپؐ نے اسے فساد قرار نہیں دیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد ابو بصیر اور ان کے ساتھی اس نوع کی آزمائش سے دوچار ہوئے کہ وہ نہ مکہ میں رہ سکتے تھے اور نہ مدینہ کی اسلامی حکومت انہیں قبول کر سکتی تھی۔ ایسی صورت میں انہوں نے ساحل سمندر کے کنارے اپنا الگ مرکز قائم کیا جہاں سے وہ جہاد کرتے رہے تا آنکہ مشرکین قریش صلح حدیبیہ میں عائد کردہ شرط ”جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا اسے ہمارے پاس بھیجیں گے“ کو اپس لینے پر مجبور ہو گئے۔

ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں نے جو جہاد کیا اس کے جائز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا ان کے پاس حکومت تھی؟ اور کیا وہ رسول اللہؐ اور کفار قریش کے مقابلے میں ایک تیسری حکومت قائم کر رہے تھے؟ اگر نہیں تو کیا رسول اللہؐ نے ان کے اس جہاد کو فساد قرار دیا؟ ظاہر ہے کہ تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کی دلی ہمدردیاں ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ تھیں لیکن صلح حدیبیہ کی رو سے آپؐ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں نے جہاد کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ کفار کو اس طرح نشانہ بنانے کی پوزیشن میں تھے کہ اس کی زد میں کوئی بے گناہ مسلمان نہ آئے اور ان کے جہاد کے نتیجے میں کفار کو نقصان پہنچے اور وہ پریشان اور کمزور ہوں۔ ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا اور کفار قریش نے مجبور ہو کر صلح حدیبیہ کی اس شرط کو جو انہوں نے لگائی تھی از خود ختم کرنے کی درخواست کی۔ اس سے ہمیشہ کے لیے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلمان کفار کی طرف سے کسی

مشکل میں پھنس جائیں اور مسلمان حکومتیں ان کی مدد نہ کر سکیں تو وہ اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے کفار کے خلاف وقت اور حالات کی مناسبت سے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں حتیٰ کہ مسلح جملہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس جملہ میں صرف ایک ہی شرط ہے کہ اس کے نتیجے میں ایسے لوگوں کی خونریزی نہ ہو جو کفار کے ظلم و جبر میں شریک اور ان کے حامی و مددگار نہ ہوں۔ صلیح الایمان لوگوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سورۃ فتح (آیت ۵۲) میں ہے ”اور اگر مکہ میں اہل ایمان نہ ہوتے تو کافروں کو ہم دردناک سزا دیتے“۔ افغانستان، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، اراکلن میں جو جہاد ہوا ہے یا ہو رہا ہے، اس کے بارے میں مذکورہ تمام بنیادیں تقاضا کرتی ہیں کہ کفار کے زیر قبضہ ممالک میں جاری جہاد صحیح ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہمارے فقہا کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے کسی بھی معاملے میں علیٰ خلا نہیں چھوڑا۔ تمام فقہائے اسلام نے بالاتفاق فتویٰ جاری کر دیا ہے کہ جو علاقہ ایک مرتبہ دارالاسلام بن گیا ہو، پھر اس کے بعد کفار اس پر چڑھائی کر لیں تو علاقے کے تمام لوگوں، مردوں اور عورتوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مقابلے کے لیے کافی نہ ہوں تو پھر ساتھ والوں پر بھی یہ جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اس طرح سے اگر سارے عالم اسلام کی فوج اور افراد اور مادی قوت کے بغیر دفاع ممکن نہ ہو تو سارے عالم اسلام پر اس ملک کا دفاع فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کفار کسی مسلم علاقے پر غاصبانہ قبضہ کر لیں تو پھر آزادی حاصل کرنے کے لیے اسی ترتیب سے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ قرآن و حدیث اور فقہی مصادر کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ”یہ حفاظت دین اور مدافعت دیار اسلام کا حکم ایسا سخت ہے کہ جب کوئی قوت اسلام کو مٹانے اور اسلامی نظام کو فنا کرنے کے لیے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے مقابلے پر نکل آئیں اور جب تک اسلام اور اسلامی نظام کو اس خطرے سے محفوظ نہ کر لیں اس وقت تک چین نہ لیں۔ چنانچہ فقہ کی تمام کتابوں میں یہ حکم موجود ہے کہ جب دشمن دارالاسلام پر حملہ کرے تو ہر مسلمان پر فرداً فرداً دفاع کا فرض ایسی قطعیت کے ساتھ عائد ہو جاتا ہے جیسے نماز اور روزہ۔ فقہ کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے: ”مگر جب اعلان عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کر دیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو فرداً فرداً اس کی فرضیت عائد ہوتی ہے۔ نفیر عام ہونے کے بعد تو اداے فرض کا حق بغیر اس کے پورا ہوتا ہی نہیں کہ سب کے سب جہاد کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت وہ سب مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے جیسے روزہ اور نماز۔ پس غلام کو بغیر آقا کی اجازت کے اور عورت کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے نکلنا چاہیے کیونکہ ان عبادت میں جو فرض عین ہیں، غلام اور بیوی کی خدمت، آقا اور شوہر کی خدمت سے مستثنیٰ ہیں جیسے نماز اور روزہ۔ اسی طرح بیٹے کے لیے مباح ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر والدین کی اجازت کے نکل کھڑا ہو کیونکہ روزہ، نماز جیسی فرض عبادت ہیں ان پر والدین کا حق اثر انداز نہیں ہو سکتا“ (جلد ۲، ص

(۹۸)۔ بان مجھ العدو وعلى بلد کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ فرضیت مبینہ صرف اسی صورت پر موقوف نہیں ہے کہ خاص مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر کوئی قوم اسلام کو مٹا دینے پر آمادہ ہو جائے بلکہ حکومت اسلامیہ اور دیار اسلام پر یہ غاصبانہ حملے کے مقابلے میں مدافعت اسی قطعیت کے ساتھ فرض ہے۔ اسلام میں مسلمانوں کی زندگی کے لیے حریت و استقلال سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ اپنی آزادی کھو دینے کے بعد صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں میں انسانیت کی اس اعلیٰ خدمت کو ادا کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی جسے ادا کرنے کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں بلکہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم رکھنے کے قابل بھی نہیں رہتے جس پر ان کی مذہبی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت اور اسلامی قومیت پر حملہ کرنا دراصل عین اسلام پر حملہ کرنا ہے اور خواہ کسی دشمن کا مقصد اسلام کو مٹانے کا نہ ہو، بلکہ محض مسلمانوں کی سیاسی قوت ہی کو مٹانا ہو، تب بھی اس سے جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے ویسا ہی فرض ہو گا جیسے کہ اسلام کو مٹانے والے سے جنگ کرنا ہے۔ اسی وجہ سے صرف اس شہر یا اس ملک ہی کے مسلمانوں پر دفاع کا فرض عائد نہیں کیا گیا جس پر حملہ کیا گیا ہو بلکہ اگر وہ اپنی مدافعت سے عاجز ہوں تو روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ ملک یا شہر کے مسلمانوں کو غلبہ انداز سے بچائیں جیسا کہ صاحب بدائع السنن کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ بفترض علی من واحد من احاد المسلمین اور لا یتحقق القيام بہ الا بالکف۔ صاحب نہلیہ نے ذخیرہ سے اسی کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے: ”پھر ان لوگوں پر جو ان سے قریب ہوں، پھر ان پر جو ان سے قریب ہوں یہاں تک کہ از شرق تا غرب تمام اللہ اسلام پر اسی تدریج کے ساتھ فرض ہوتا چلا جاتا ہے۔“

ان صورتوں کو نقل کرنے کے بعد لانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ”اسلام میں دفاع کے اس اہم فرض کی جو حیثیت ہے اس کا اندازہ صرف اسی سے نہیں ہوتا کہ اسے ایک عہد اور فرض عین کا درجہ دیا گیا ہے اور اس کی فضیلت نماز روزے سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔ بلکہ سورۃ توبہ کی ان آیات سے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے استقلال قومی کو مٹانے کے لیے حملہ آور ہو اور نفیر عام ہو جائے تو اس وقت یہ ایمان کے صدق و کذب کی کسوٹی بن جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے رومیوں کی زبردست طاقت و سلطنت کے مقابلے پر حفاظت اسلام کے لیے جنگ میں جانے سے جی چرایا تھا اور جن کی ایمانی کمزوری کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے انہیں گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی تھی، یہ فرمایا گیا: اے محمدؐ خدا تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی، تمہیں چاہیے تھا کہ اجازت نہ دیتے تاکہ تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم ہو جاتا جو جھوٹے ہیں، وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں یوم قیامت کے آنے کا یقین ہے، تم سے ہرگز رخصت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد نہ کریں۔ اللہ ان متقیوں

سے خوب واقف ہے، یہ رخصت تو تم سے وہی لوگ طلب کریں گے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت کے آنے کا یقین، ان کے دلوں میں شک پڑ گیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے شک ہی (میں متردد) ہو رہے ہیں (التوبہ ۳۴ تا ۵۴) (الجہاد فی الاسلام، ص ۶۱ تا ۶۵)۔

پس کشمیر اور دوسرے ممالک کو، جن پر کفار نے غاصبانہ قبضہ کیا ہے، اس اصول کی بنا پر کہ وہ مسلمان ممالک ہیں جن پر کفار نے قبضہ کیا ہوا ہے اور جو ممالک ایسے ہوں انھیں جہاد کے ذریعے آزاد کروانا درجہ بدرجہ تمام لوگوں پر فرض ہوتا ہے، کی بنا پر آزاد کروانا اولاً کشمیری مسلمانوں پر اس کے بعد پاکستان، اس کے بعد دوسرے ممالک اور ضرورت پڑے تو سارے عالم اسلام پر فرض ہے۔ اب اگر پاکستان اور عالم اسلام اپنی بزدلی، کمزوری، نااہلی اور حکمرانوں کی لادینیت کی وجہ سے کشمیر اور دوسرے مقبوضہ مسلمان ممالک کو آزاد کرانے کے لیے جہاد میں حصہ نہیں لیتے اور کشمیری مسلمان اپنے حالات کے مطابق جرات اور شجاعت اور شہادت کی داستانیں رقم کر رہے ہیں، تو لادین حکمرانوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر فقہاء کے مقابلے میں علم کے کچھ دعویدار لوگ ان کے جہاد کو فساد قرار دے رہے ہیں اور بلا علم و تحقیق جہاد کو فساد قرار دے کر مجاہدین کی پیشگوئیوں میں خنجر گھونپ رہے ہیں۔

(۳) مسلمان ملک کی آزادی کے لیے جہاد کی ضرورت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو گیا وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے گھر کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا تو وہ بھی شہید ہے“ (مکنز العمال)۔

جہاد کشمیر کو فساد قرار دینے والوں سے پوچھیے کہ اگر ان کے گھر پر ڈاکو حملہ کر دیں، یا ان کے گھر پر غاصبانہ قبضہ کر لیں تو کیا گھر کے دفاع یا گھر کو ڈاکوؤں سے آزاد کرانے کے لیے طاقت استعمال کرنا فساد ہو گا؟ کیا صرف اسلام آباد کے قصر صدارت اور وزارت یا اسی طرح حکمرانی کے مناصب پر فائز لوگ ہی اپنے دفاع کا حق رکھتے ہیں یا ہر آدمی اپنے دفاع کا حق رکھتا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت اور آزادی صرف اقتدار اور اہل اقتدار کا حق نہیں بلکہ ہر آدمی کا حق ہے۔ اس طرح ہر ملک کے باشندوں کا حق ہے کہ وہ اپنے ملک پر دوسروں کو قبضہ نہ کرنے دیں۔ کیا انگریزوں کے خلاف جہاد اور تحریک آزادی فساد تھا؟ برصغیر کی تقسیم کی تو بنیاد ہی یہ اصول تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ مسلمانوں کے ہیں اور جن علاقوں کی اکثریت ہندو ہے، وہ ہندوؤں کے ہیں۔ بھارت نے اس اصول کو نظر انداز کر کے کشمیر پر طاقت کے زور سے قبضہ کر لیا اور جب جہاد کے ذریعے اسے آزاد کرانے والے جہادی دستے سری نگر تک پہنچ گئے اور قریب تھا کہ کشمیر فتح ہو جاتا تو بھارت نے اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بند کرادی۔ اقوام متحدہ نے قراردادوں پاس کی کہ کشمیر میں اس کی زیر نگرانی رائے شماری ہوگی۔ بھارت نے اس قرارداد کو وقتی طور پر مان لیا، لیکن

اس نے بتدریج اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بھارت کا حصہ بنا لیا، اسے اپنا ٹوٹ انگ قرار دے دیا اور رائے شماری سے منکر ہو گیا۔ بھارت منکر ہے اور اقوام متحدہ منافقت کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ حق دار اپنے زور بازو سے اپنا حق حاصل کرے۔ ایسی صورت میں بھارت غاصب ممالک یا اقوام متحدہ کیا اخلاقی جواز رکھتے ہیں کہ وہ ان جہادی تحریکوں کی مخالفت کریں۔ اگر بھارت اور امریکہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ناحق کو حق اور حق کو ناحق قرار دینے میں لگے ہوئے ہیں تو پھر مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کون سی راہ ہے کہ وہ بھی طاقت کے استعمال کا راستہ اختیار کریں۔

(۳) اب تو ساری دنیا قوموں کے حق آزادی کو تسلیم کر رہی ہے اور اس کے لیے تحریک چلانے اور قوت استعمال کرنے کو جائز قرار دے رہی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ افغانستان نے روسی فوجوں کے غاصبانہ قبضے سے افغانستان کو آزاد کرانے کے لیے جہاد شروع کیا تو صرف دنیاے اسلام نہیں بلکہ ساری دنیا نے اس جہاد کو سراہا اور اس کی مالی اور اخلاقی مدد کی۔

(۵) نبیؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے حق میں تین دعائیں فرمائی ہیں جن میں سے دو قبول ہو گئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ پہلی دعا یہ ہے کہ پروردگار میری امت کو بھوک اور اسی طرح کی آفات سلویہ کے ذریعے ہلاک نہ کرنا، اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ دوسری یہ کہ پروردگار میری امت پر باہر کے دشمنوں کو مسلط نہ کر دینا، میری یہ دعا بھی قبول ہو گئی۔ تیسری دعا یہ کی کہ پروردگار وہ آپس میں باہم دست و گریباں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول نہ کی۔

جب آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی کہ آپ کی امت پر ان کا دشمن مسلط نہ ہو، تو اس کی یہی صورت ہو گی کہ اولاً کفار مسلمان ملکوں پر قبضہ نہ کر سکیں گے۔ لیکن بالفرض قبضہ کر لیا تو اسے زیادہ عرصے تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ مقبوضہ علاقوں کے مسلمان آزادی کی اور جہادی تحریکیں بہا کریں اور جان و مال کی قربانیاں دے کر آزادی حاصل کریں۔ اگر نیم ملا قسم کے لوگوں کے فتوؤں کی عمل داری ہوتی یا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا راج ہوتا تو پھر مسلمان انگریز اور ہندوؤں کے سایے تلے زندگی بسر کر رہے ہوتے اور غلامی کا طوق ان کی گردنوں کی زینت ہوتا۔ لیکن پہلے اللہ کے فضل سے ایسا نہیں ہوا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی نہیں ہو گا۔ پہلے بھی مسلمانوں نے جہاد کی آواز پر لبیک کہا اور آئندہ بھی لبیک کہتے رہیں گے تا آن کہ دنیا میں اسلام غالب ہو جائے اور اللہ کا دین ساری دنیا کا دین بن جائے (آمین)۔

ان پانچ وجوہ سے جہاد کشمیر اور دوسری جہادی تحریکیں نہ صرف جائز ہیں بلکہ وہ اسلام اور اس دور کا تقاضا اور خصوصیت ہیں۔ اسے فسلا قرار دینے والے لوگ اسلام اور اس تقاضے کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی صلاحیتوں کو متقی کاموں کی بجائے مثبت طور پر استعمال کرنے کی توفیق دے اور کتب و سنت اور اجماع امت کی راہ سے ہٹ کر چلنے سے بچائے (آمین) (مولانا عبدالمالک)۔